اب ایک تازہ گل اور کھلا ہے۔ میری کتاب "اسلام اور موسیقی" پر اسی حلقہ معارف کے محترم مبر براہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اتنی خفگی کا اظہار فرمایا کہ جیسے ہم نے بت پرستی کو جائز کر دیا ہو یا خمر و زنا کو حلال کر دیا ہو۔ ان کے الفاظ کے چند نمونے یہ ہیں:

"امت نے اپنی تاریخ میں موسیقی کی کہاں تک سرپرستی کی۔ کیسے کیسے ڈوم، ڈھاڑی، میراثی قوال، گوئیے پیدا کیے۔ اگر مستشرقین کے ہم مذاق ہو کر مسلمانوں کو ان کی تاریخ اس سے بھی کھلے ہوئے منکرات و فواحش کے نقطۂ نظر سے سنانا ہے تو ابھی تو اور بھی بہت سے عنوانات دعوتِ تحریر دے رہے ہیں۔ اسلام اور رقاصی۔ اسلام اور فحش کاری۔ اسلام اور بادہ نوشی۔ اسلام اور سود خواری بلکہ ایک جامع عنوان اسلام اور فسق و فجور ......"

اسی قسم کے الفاظِ تنقید سے سارا تبصرہ بھرا ہوا ہے۔ جن سے ان اولیاء اللہ پر زد پڑتی ہے جو موسیقی سے دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ اور سننے کے علاوہ خود اس فن کے ماہر ہوتے رہے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرما لیا نا؟ مگر خدا کی شان دیکھیے۔ اسی حلقۂ معارف سے ایک کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے" اس کے مؤلف ہیں جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے علیگ۔ زیرِ نظر کتاب میں ص۵۱۰ سے ص۵۶۰ تک پورے ۴۳ صفحات موسیقی کے لیے وقف کیے گئے ہیں جس میں رقص کا بھی ذکر ہے۔ ہم نے تو اپنی کتاب "اسلام اور موسیقی" میں صرف اتنا کیا تھا کہ تین مسلک بیان کر دیے تھے:

۱۔ فقہاء اسے عام طور پر حرامِ مطلق کہتے ہیں۔

۲۔ محدثین بالعموم اس کی اباحتِ مطلقہ کے قائل ہیں اور حرمتِ غنا و مزامیر کی تمام روایتوں کو موضوع یا غایت درجے کی ضعیف قرار دیتے ہیں۔

۳۔ صوفیہ عموماً اس کی اباحت کے قائل ہیں مگر چند ضروری شرائط کے ساتھ۔ اور بعض صوفیہ اسے مستحب بھی کہتے ہیں۔

پھر ہم نے فقہاء کے قول کو مرجوح اور محدثین کے قول کو قابلِ ترجیح قرار دیا، اور اپنی سمجھ کے

مطابق دلیلیں بھی پیش کر دیں۔ مگر سیّد صباح الدین صاحب نے تو کمال ہی کر دیا ہے۔ جہاں انھوں نے متعدد اولیاء اللہ کے سماع کا ذکر کیا ہے اور فقہاء سے ان کے مناظروں کی تفصیل بتائی ہے وہاں فنِ موسیقی کے راگ، راگنیوں، تال، سُر اور مزامیر کا، موسیقاروں کا، اور فنِ موسیقی کی کتابوں کا اتنا مفصّل بیان کیا ہے کہ کوئی ماہرِ فن اس سے زیادہ کیا لکھے گا۔ "اسلام اور موسیقی" میں اس کا سوواں حصّہ بھی موجود نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد دریا بادی اور ان کے ہم مشربانِ دارالمصنفین کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ان سے پوچھیے کہ ایک مقدس جگہ سے ایسی کتاب کیوں شائع ہوئی جس میں مراثیوں، گویّوں، نچنیوں، ڈوم ڈھاری کا "ذکرِ جمیل" اور ان کے فن کی تفصیلات کا "ذکرِ خیر" موجود ہے۔

ذرا ٹھہریئے۔ فاضل مؤلّف نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ اس کے آگے "مصوّری" پر پورے ۶۱ صفحے (ص۵۹۱ سے ص۶۲۲ تک) لکھے ہیں۔ اب ذرا مولانا ان سے بھی دریافت فرمائیں کہ "ابھی تو اور بھی عنوانات دعوتِ تحریر دے رہے ہیں" تو ان پر بھی کیوں نہ لکھا؟ ان پر بھی لکھیے تاکہ دارالمصنفین سے شائع کیے جائیں۔ یہ حق تو صرف دارالمصنفین ہی کو حاصل ہے کہ تمام منکرات و فواحش پر کتابیں لکھے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کو کیا حق پہنچتا ہے؟

وہ کریں قتل، سب کہیں شاباش ہم جو تڑپیں لقب ملے "بے باک"